مولانا محمد حنیف ندوی

عہد نامۂ جدید اور اناجیلِ اربعہ

جہاں تک عہد نامہ قدیم کا تعلق ہے، اس کی تسوید و ترتیب کا مرحلہ حضرت مسیح سے کوئی پانسو سال پہلے طے ہو چکا تھا۔ اس کے بعد حضرت مسیح کی زندگی تک ایک طرح کا خلا یا سکوت تسلیم کیا جائے جس کو مستشرقین روحانی سکوت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یا یہ مان لیا جائے کہ اس دور میں بھی انبیائے سابقین کے تہذیبی ورثہ کے ابلاغ و فروغ کا عمل کسی نہ کسی طرح جاری رہا۔ اس سوال کے جواب میں ایک عیسائی محقق آر۔ ایس چارلس نے ایک بلند پایہ کتاب "ریلیجس ڈویلپمنٹ بٹوین اولڈ اینڈ نیو ٹسٹامنٹ" کے عنوان سے لکھی ہے۔ اس میں انھوں نے تصریح کی ہے کہ مسیح کے پان سو برس پہلے تک جو انبیا آتے رہے وہ تو انہی خطوط پر آتے رہے جن کو اسرائیلی روایات نے انبیا کے لیے متعین کر رکھا تھا۔ لیکن ان کے بعد حضرت مسیح تک جن مبشرین نے اسرائیلی روایات، مذہب و دین کو لوگوں تک پہنچایا، ان میں عموماً وہ حضرات شامل ہیں جن کو اصطلاحی معنوں میں انبیا نہیں کہا جا سکتا۔ یہ لوگ دراصل ایک خاص طرح کے داخلی اور تخلیقی تاثر سے بہرہ مند تھے جس کی معنویت کو نیومیٹک (PNEUMATIC) کے لفظ سے زیادہ خوبی سے ظاہر کیا جا سکتا ہے[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نگاہِ ربوبیت نے اس منصبِ جلیل کے لیے باقاعدہ نہیں چنا تھا اور نہ ان کے لیے فکر و اظہار کا اسلوب ان خطوط کا پابند ہی تھا جن کا انبیا علیہم السلام کی زندگی، دعوت اور عمل سے تعین ہوتا ہے۔ ان کا سرچشمہ علم و ادراک دراصل خود ان کا قلب و باطن تھا۔ اور جب یہ لوگ اس باطنی احساس و تاثر سے مجبور ہو جاتے تھے، جو ان میں دین کے

---

[1] یہ رواقیہ اور غنوصیہ کی ایک اصطلاح ہے، جس میں "روح" اور قلب کے داخلی تاثرات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ دیکھیے "دی ڈکشنری آف فلاسفی" PNEUMA۔

معاملہ میں حد درجہ اخلاص اور تعلق خاطر کی وجہ سے ابھرتا تھا تو یہ ابلاغ کے فریضہ کو اپنا لیتے تھے اور حقیقی انبیا کی زبان اور لب و لہجہ میں لوگوں سے خطاب کرنا شروع کر دیتے تھے۔ ان انبیا میں جنھیں اصحابِ کشف و بصیرت کہنا زیادہ موزوں ہے۔ دانیاں سے لے کر جہاں بیعیا تک کے حضرات داخل ہیں، دہاں پال اور مسیح کے چاروں سوانح نگاروں کو بھی اسی زمرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ انھوں نے اسرائیلی روایات سے کھلے بندوں انحراف کیا ہے اور فکر و عقیدہ کی تشریح و تعبیر میں ایسی بدعات کو رواج دیا ہے جن کی قدیم اسرائیلی متون سے تائید نہیں ہو پاتی۔ چنانچہ عہد نامہ جدید کی اصطلاح اسی لیے گھڑی گئی تاکہ عقائد کی نئی تعبیر و تشریح اور اسلوبِ بیان کی ان جدتوں پہ روشنی ڈالی جا سکے، جن کو کتب قدیمہ کی تصریحات سے ہٹ کر اختیار کیا گیا۔ اور بتایا جا سکے کہ حضرت مسیح کی آمد سے رشد و ہدایت کا جو دَور شروع ہوا وہ ایک ایسے تجربہ پر مبنی ہے جو پہلے تجربہ کی ناکامی کے بعد ظہور میں آیا۔ انجیل کی زبان میں اس کا اظہار یوں بھی ہو سکتا ہے۔ اوّل اوّل قدیم زمانوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیا کے ذریعے اور وحی و الہام کے روپ میں انسانوں کی ہدایت رہنمائی کا نقشہ تجویز کیا۔ لیکن پھر جب اس نے دیکھا کہ یہ تجربہ ناکام رہا، اور یہ حضرات اپنی بزرگی اور تقدس کے باوجود دبستانِ رُشد و ہدایت کی نگرانی نہ کر سکے تو خدا وند خود مسیح کی صورت میں نمودار ہوا تاکہ آپ اپنے گلشن کی دیکھ بھال کر سکے۔

اس سے قطع نظر کہ اس تعبیر سے علم الٰہی کی تنقیص لازم آتی ہے اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی انسانی ارادہ کی طرح تغیر و تبدل کا ہدف قرار پاتا ہے۔ یا یہ کہ یہ تجربہ ناکام رہا۔

اس مسئلہ پر یہ نکتہ خاص طور سے قابلِ غور ہے کہ انبیائے سابقین نے توحید کے تصور کو وضاحت اور نکھار کے جس موڑ پر چھوڑا تھا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو اور تابش و ضو سے بہرہ مند کیا جاتے اور بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کس درجہ تنزیہ کے تمام تر پہلوؤں کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے اور اس کے باوجود انسانی فکر کے کس قدر قریب ہے۔ لیکن ہوا یہ ہے کہ عیسائیت نے سابق انبیا کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا اور فکر و عقیدہ کی عنان کو توحید خالص

سے ہٹاکر پھر سے تجسیم و شرک کی طرف موڑ دیا - یہ ہے عہد نامۂ جدید کی کہانی -

اس انحراف کی زیادہ تر ذمہ داری سینٹ پال پر عائد ہوتی ہے - یہ شخص اوّل اوّل عیسائیت کا سخت دشمن تھا - چنانچہ اس کا اپنا اعتراف ہے کہ اس نے عیسائیوں کو اذیت و کرب میں مبتلا کرنے کی بے شمار کوششیں کیں - حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع آسمانی کے پچاس سال بعد اس نے ایک روشنی دیکھی ، اور اس کے نتیجے میں نہ صرف حلقہ بگوش عیسائیت ہوگیا بلکہ اس کا پُر جوش مبلغ و داعی بھی بن گیا [۲] یہ پہلا شخص ہے جس نے کلیسا کی بنیاد رکھی -

سینٹ پال کی شخصیت اور اس کے محرکات ذہنی و فکری کے بارہ میں خود مستشرقین کے ہاں دو گروہ پائے جاتے ہیں - محققین کا ایک گروہ جیسے ہالزمین (HOLTZMAN) اور مارگین (MOGAN) وغیرہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس کی تحریروں اور نوشتوں میں یونانی فلسفہ کی جھلک نمایاں ہے - دوسرا گروہ جیسے شویزر (SHWEITZER) وغیرہ کا خیال ہے کہ اس پر یہودی روایات و تصورات کا اثر زیادہ ہے [۳]

ذاتی طور پر ہم بوجوہ اس دوسرے گروہ سے قطعی اتفاق رائے نہیں کر سکتے :

اول : انھوں نے تاریخی واقعات اور پیش گوئیوں کی جو تعبیر پیش کی ہے اور جس انداز و اسلوب سے ان کو منطبق کرنے کی کوشش کی ہے اس کو یہودی روایات و اسلوب سے قطعاً کوئی مناسبت نہیں -

۲ : انکار شریعت یا قانون و فقہ کی پابندیوں سے مخلصی اور رہائی کے لیے انھوں نے جس ملحدانہ فلسفہ و فکر کی آڑ لی ہے ، یہودی نوشتوں سے اس کی تائید نہیں ہو پاتی -

۳ : ان کی تحریروں میں بعض متصوفانہ عناصر اور مابعد الطبیعاتی تصورات کا جو عموم ہے ٹھیٹھ اور بے لوچ یہودیت میں اس کے لیے گنجائش نکالنا مشکل ہی نہیں ناممکن امر ہے -

۴ : نبوت و الوہیت کی باہمی آمیزش بھی اس شبہ کو تقویت پہنچاتی ہے کہ یہ حرکت نظریہ

---

[۲] رسولوں کے اعمال باب ۲۲ ، ۵ - نیز باب ۲۶ ، ۱۰

[۳] دیکھیے فصل اول پال اینڈ ربانک جوڈازم (PAUL. AND RABA JUDAISM) مصنفہ ڈیویز مطبوعہ لندن - ۱۹۴۸

توحید کے اس صاف اور واضح تصور سے قطعی ہم آہنگ نہیں، جس کو وقتاً فوقتاً یہودی انبیا پیش کرتے رہے۔

پال کے خطوط سے نہ صرف اس تجدد و انحراف کا آغاز ہوتا ہے جو عقائد کی سطح پر بروئے کار آیا بلکہ اس کے اسلوب تبلیغ و اشاعت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس نے عیسائیوں کے علاوہ غیر قوموں کو بھی عیسائیت کا حلقہ بگوش بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس غرض کی تکمیل کے لیے اس نے اناجیل و صحف کی جانی بوجھی راہ سے ہٹ کر باقاعدہ مراسلات اور خطوط کو ابلاغ کا ذریعہ ٹھہرایا۔

مضامین کے اعتبار سے پال کے خطوط کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ وہ جن میں علم و معرفت اور باطن کے تزکیہ کے بارے میں اس کے نقطۂ نگاہ کی تشریح پائی جاتی ہے اور وہ جو پیش پا افتادہ اور غیر اہم مضامین پر مشتمل ہے۔ اہلِ تحقیق کے حلقوں میں عہد نامہ جدید کی تکمیل اناجیل اربعہ کے اضافے سے ہوتی ہے۔ لیکن کیا حضرت مسیح کی تعلیمات صرف انہی چار کتابوں میں سمٹی ہوئی ہیں، یا ان کے علاوہ بھی کچھ صحائف ہیں جنھیں انجیل کی حیثیت حاصل تھی۔ ان اناجیل کے مطالعہ اور کلیسا کی مذہبی تاریخ سے ان شواہد پر روشنی پڑتی ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی متعدد اناجیل تھیں۔ جو عیسائی معاشرہ میں ایک عرصہ تک رائج رہیں اور مستند مانی گئیں۔ ان اناجیل کو کیوں غیر معتبر اور جعلی قرار دیا گیا اور اس سلسلہ میں چھان بین کے کن علمی و شعبدی پیمانوں کو کام میں لایا گیا۔ ان کے بارہ میں کلیسا کی تاریخ قطعی مہر بلب اور خاموش ہے خصوصیت سے برناس کی انجیل اور اس دینی اور روحانی لٹریچر کو کیوں نظر انداز کیا گیا جو بحر مردار کے سواحل سے حال ہی میں برآمد ہوا ہے[2] اس کا کوئی مسکت جواب ہمیں عیسائیت کی طرف سے نہیں ملتا۔ بہر حال اناجیل اربعہ پر جو تنقیدی کام ہوا ہے اس کو ہم خود گاسپل کے مشہور مصنف ہل مین کے جمع کردہ مواد کی روشنی میں یوں بیان کر سکتے ہیں:

۱۔ متی اور لوقا صرف انجیل نگار ہی نہ تھے بلکہ مؤرخ بھی تھے۔ اس لیے اگر انھوں نے مرقس

---

[2] یعنی ڈیڈ سی سکرولز

کے مضامین میں اختصار سے کام لیا ہے تو خاصے حذف و تغیر کے بعد۔

۲ - مرقس کی زبان آرامی تھی اور اب جو نسخہ ہمارے سامنے ہے یہ اس کا یونانی ترجمہ ہے۔ اصل ترجمہ میں کس حد تک عدم مطابقت کارفرما ہوتی ہے اور اس سے کیا کیا نئے نئے معانی ابھرتے ہیں اور کیا کیا معانی پردۂ اخفا میں چلے جاتے ہیں، اس سے ہر وہ شخص آگاہ ہے جو ادب سے ذرا بھی دلچسپی اور لگاؤ رکھتا ہے۔ ترجمہ کی واماندگی کے بارے میں ایک لطیفہ جو خود مصنف نے بیان کیا ہے بڑی حد تک چشم کشا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ میرے ایک دوست نے مجھے ایک کتاب بھیجی جس کو جرمنی سے انگریزی میں منتقل کیا گیا تھا، اور درخواست کی کہ میں اس کو تنقیدی نظر سے دیکھ لوں۔ میں نے جب اس کا اصل متن سے مقابلہ کیا تو محسوس کیا کہ اس کی عبارت اگر صرف و نحو کے اعتبار سے درست ہے تو انگریزی زبان کے مزاج کے مطابق نہیں۔ اور اگر محاورہ اور نوک پلک کے لحاظ سے انگریزی صحیح ہے تو مطالب کا صحیح انعکاس نہیں ہو پایا۔ اور یہ قدرتی بات ہے، کوئی بھی شخص اگر ایک زبان میں سوچے گا اور دوسری زبان میں لکھے گا تو اس کا یہی حشر ہو گا۔

۳ - مزید براں یونانی اور آرامی کی صرف و نحو میں بنیادی فرق ہے۔ ان دونوں میں بعض مفاہیم اور حروفِ عطف اس نوعیت کے ہیں کہ ان کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ قطعی ناممکن ہے۔

۴ - یہ چاروں انجیلیں حضرت مسیح کے رفع آسمانی کے بعد لکھی گئیں اور ان کے اصل ماخذ مفقود ہیں۔ پھر ان کو درجہ استناد کب حاصل ہوا۔ مسیحیت کی تاریخ نے اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔

۵ - ان چاروں انجیلوں میں اختلاف اور تکرار کی متعدد مثالیں ملتی ہیں حتیٰ کہ مسیح کے شجرۂ نسب کے بارہ میں متی اور لوقا باہم متفق نہیں ہو سکے۔ مزید برآں دوسرے واقعات کی ترتیب زمانی میں بھی ان چاروں میں خاصہ اختلاف پایا جاتا ہے۔